© rasailojaraid.com

اور نوٹوں کی قیمت یا ان کی قوتِ خرید چاندی ہی کے معیار پر مقرر کی جاتی ہے اور ان کے بدلے میں حکومت چاندی ہی ادا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے ہندوستان میں نوٹوں اور سکوں کی زکوٰۃ نکالنے کے لیے چاندی ہی کا نصاب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہاں جن مغربی ممالک میں "معیارِ زر" طلا ہے ان میں نوٹوں اور سکوں کی زکوٰۃ سونے کے نصاب سے محسوب ہوگی۔

کیا نظامِ طاغوت اطاعت کا مستحق ہے؟

سوال:- (۱) اگر یہ درست ہے کہ "خدا بادشاہِ زمین و آسمان ہے، وہ زمین پر کسی اور کی بادشاہی کس طرح تسلیم کر سکتا ہے" تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے "جالوت" کو کیوں حکمرانی عطا کی (واللہ یؤتی ملکہ من یشاء)۔ اور فرعون کو کیوں مصر ایسا زرخیز ملک عطا کیا جیسا فرعون کہتا ہے کہ الیس لی ملک مصر؟

اگر یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے احکام کی اطاعت کا مطالبہ کرنے کے بعد اپنے بندوں کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ ان حاکموں کی اطاعت بھی کی جائے جو اس کی سند کے بغیر حکومت جماتے ہیں اور اس کے حکموں کے خلاف حکم دیتے ہیں تو پھر یہ واضح ہونا چاہیے کہ وہ ایسے حاکموں کو اس کا موقع ہی خود کیوں دیتا ہے کہ غلط حکومتیں قائم کریں؟ یہ صورت تو وہی ہوئی کہ

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای ‏ ‏ بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

خود ہی "بے سندوں" کو حکومت سے نوازنا اور پھر بے بس رعایا سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان کی اطاعت نہ کرو دونوں متضاد باتیں ہیں۔ میری رائے میں تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء سے بڑا سرٹیفکٹ ان کی اطاعت کو لازم کرنے والا اور کیا ہو سکتا ہے! یہ بات بھی اسی رائے پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کو فرعون سے خطاب کرتے ہوئے آدابِ شہنشاہی کی پابندی کرنے کا حکم "قولا لہ قولا لینا" کے الفاظ میں دیا گیا تھا ــــ کہ خبردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے ادبی نہ ہونے پائے۔

مزید یہ کہ فرمانروایانِ وقت کی اطاعت کا نظریہ بغاوت اور فساد کا موجب ہوتا ہے حالانکہ واللہ لا یحب الفساد اور لا تفسدوا فی الارض کی رو سے مسلمان کے لیے امن پسند رہنا لازمی ہے۔

جواب:۔ (۱) یہ سوال نتیجہ ہے خدا کی مشیت اور اس کی رضا کے فرق کو نہ سمجھنے کا۔ آپ تو فرعون اور جالوت کی بادشاہی پہ غور کر رہے ہیں، اصل جڑ کو لیجیے کہ خدا نے شیطان کو کیوں پیدا کیا اور جب شیطان کو خود ہی پیدا کیا اور اسے اختیار دیا تھا کہ وہ انسانوں کے قلوب پر اپنا اثر ڈالے اور نفوس کے اندر نفوذ کرے تو پھر غریب انسان سے یہ مطالبہ کیوں کیا کہ وہ شیطان کا اثر قبول نہ کرے؟ — اور اب جب کہ اس نے شیطان کو پیدا کیا ہے اور انسان پر اثر ڈالنے کا اسے موقع دے دیا ہے تو پھر آدمی کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ شیطان کا احترام اور اس کی اطاعت کرے۔ مگر یہ گتھی قرآن نے بہت اچھی طرح سلجھا دی ہے۔ آپ اگر قرآنی فلسفہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسان خیر اور شر کے دو گونہ محرکات کے درمیان ایک محدود اختیار کے ساتھ مقامِ آزمائش میں کھڑا ہے۔ وہ خدا کی اطاعت بھی کر سکتا ہے اور اس سے انحراف کر کے فرعون اور جالوت کے آگے بھی سرِ تسلیم خم کر سکتا ہے، اور چاہے تو خود فرعون اور جالوت بن سکتا ہے۔ اور اس کا امتحان اس میں ہے کہ وہ کونسا رویہ اختیار کرتا ہے؟ وہ جو حق و عدل کا رویہ ہے یا وہ جو ظلم و باطل کا رویہ ہے؟ بس اسی پر جزا و سزا کا دار و مدار ہے۔

خدا کی مشیت نے دونوں راستے کھلے رکھے ہیں۔ وھدینٰہ النجدین۔ انسان جس راستے پر بھی چلے گا خدا کی مشیت ہی کے تحت چلے گا۔ مگر خدا کی رضا یہ نہیں ہے کہ وہ بغاوت اور معصیت کی راہ پر چلے۔ اس کی رضا یہی ہے کہ وہ اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جو اس نے اپنی شریعت سے بنا دی ہے۔ اگر خدا کی مشیت نے بالجبر انسان کو شر اور فساد کے راستے سے روک کر خیر اور صلاح کے راستہ پر چلایا ہوتا اور نہ شیطان کا وجود ہوتا، نہ بدی کے محرکات ہوتے، نہ غلطی کے امکانات، تو پھر انسان کا اپنا کارنامہ کیا ہوتا، خود اس نے کونسی جد و جہد دکھائی ہوتی، خود اس نے کہاں عقل لڑائی ہوتی، اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدی کی طاقتوں کے خلاف کونسی قوت صرف کی ہوتی اور نیکی کی حمایت میں کونسی قربانیاں کی ہوتیں کہ وہ کسی جزا کا مستحق ہوتا اور اس میں اور درختوں اور پتھروں میں کونسا فرق باقی رہ جاتا؟ اختیار کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ انسان انبیاء کی پیروی کرنے پر بھی اور شیاطین کے پیچھے چلنے پر بھی قادر ہو، وہ خدا کی بندگی و اطاعت میں یکسو بھی ہو سکے اور خدا سے روگردانی کر کے فراعنہ اور نمادہ کی غلامی اور پرستش بھی کر سکے، وہ اپنی قوت سے برائی کو بھی غذا دے سکتا ہو اور بھلائی کی آبیاری بھی کر سکتا ہو، وہ اپنی زندگی کی پونجی رضائے الٰہی کی خریداری میں بھی صرف کر سکے اور اسے خواہشوں کے قمارخانے میں بھی اڑا سکے — پھر اس اختیار اور آزادی کو پا کے وہ اپنے ارادہ کے ساتھ جس طرز کی زندگی کو اپنے لیے پسند کرے اس کے مطابق اسے جزا و سزا ملنی چاہیے۔

یہ عجیب طرح کی رائے ہے کہ حکومت باطل کا اتباع بھی ویسا ہی جائز بلکہ لازم قرار دیا جائے جیسا حکومت حق کا اتباع ہونا چاہیے۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ خیر و شر میں سرے سے کوئی وجہ امتیاز باقی ہی نہ رہی۔ فرعون کی حکومت اور موسیٰ علیہ السلام کا نظام اسلامی، نبی صلعم کی مدنی ریاست اور قیصر و کسریٰ کی بادشاہتیں، چونکہ سب اللہ ہی کی مشیت سے وجود میں آئی تھیں لہٰذا ان میں سے جس کی بھی اطاعت کی گئی، اللہ کو کوئی شکایت نہیں اور جس کے خلاف بھی بغاوت اٹھائی گئی، اللہ کے ہاں ایسی بغاوت پر عتاب ہو گا۔ کیا بہتر ہو گا کہ اس فلسفہ کو اور زیادہ پھیلایا جائے اور فارمولا یہ بن جائے کہ انسان شیطان کا اتباع کرے یا انبیاء کا، اعلیٰ اخلاق کی پابندی کرے یا سفلی خواہشات کی، حق پسند ہو یا باطل پرست، اسلام پر کاربند ہو یا کفر پر، بات ایک ہی ہے۔

آپ کی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ نے مہلت اور ڈھیل کو اجازت اور اباحت کا ہم معنی سمجھ لیا ہے۔ یعنی یہ کہ چونکہ فرعون اور جالوت کو اس امر کا موقع خود اللہ ہی نے دیا تھا کہ وہ بادشاہت جمائیں اور لوگوں سے اپنی اطاعت کرائیں، اس وجہ سے از خود انھیں اس کی طرف سے آئینی اجازت بھی اس کی حاصل ہے ورنہ چاہیے یہ تھا کہ جہاں کسی کا قدم حدود بندگی سے آگے بڑھتا اور خدا کی رضا کے خلاف قانون سازی کی جاتی تو فوراً فرشتے اگر اس کو جکڑ لیتے اور اٹھا کر جہنم میں ڈال دیتے۔ حالانکہ عالم انسانی کا نظام ڈھیل کے جس قانون پر چل رہا ہے وہ اباحت کا ہم معنی نہیں۔ مراد یہ کہ یہاں ایک چور کو چوری کی مہلت حاصل ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاتل کو قتل کی قوت میسر ہوجاتی ہے، شرابی کو شراب پینے کے مواقع ملتے ہیں، زانی کو زنا کی گنجائش ہاتھ آتی ہے، اور کافر کو نظامِ کفر کو استوار کر لینے کی قوت مل جاتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ڈھیل قانون کے تحت ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ چوری کرنا، قتل کرنا، زنا کرنا یا کافرانہ حکومتوں کو بنانا اور چلانا اور ان کی اطاعت کرنا قانونِ الٰہی اور حکومتِ الٰہی کی نگاہ میں جائز و مباح ہیں۔ خدا نے ہر گناہ کے لیے ڈھیل ضرور دی ہے مگر اجازت کسی گناہ کی نہیں دی، اجازت صرف نیکی کرنے کی دی گئی ہے۔ اس ڈھیل کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اسے صرف جائز امور میں صرف کیا جائے اور ناجائز امور سے پرہیز کیا جائے، ورنہ جب یہ ڈھیل ختم ہوجائے گی تو انسان کو اپنے عمل کی فطری جزا و سزا کا خیر مقدم کرنا ہوگا اور جس نے خدا کے قانونِ حرمت و اباحت کو نظر انداز کر کے ڈھیل اور مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہوگا وہ عذابِ الٰہی میں پکڑ لیا جائے گا۔ زندگی کی کھیتی جو اللہ نے انسان کے سپرد کی ہے، کانٹے بھی اگا سکتی ہے اور پھول بھی، انگور بھی اس میں بوئے جاسکتے ہیں اور تھوہڑ بھی۔ خیر کی تخم ریزی کرو تو بھی یہ اسے قبول کرتی ہے اور شر کے بیج ڈالو تو بھی یہ انھیں لینے سے انکار نہیں کرتی مگر اس کے اصل مالک نے انسان کے لیے لازم یہی ٹھیرایا ہے کہ وہ صرف خیر کی کاشت کرے اور شر کی فصل اس کھیتی میں نہ بوئے — ورنہ جو کچھ بویا جائے گا وہ کاٹنا بھی ہوگا۔

قولاً لیناً کے معنی آدابِ شہنشاہی کو برقرار رکھنے کے نہیں لیے جاسکتے۔ معلوم نہیں یہ غلط فہمی آپ کو کس وجہ سے ہوئی ہے۔ "لینۃ" خشونۃ کی ضد ہے اور اس کے معنی نرمی اختیار کرنے کے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو ان الفاظ کے ساتھ جو ہدایت دی گئی تھی وہ دراصل اسلام کی حکمتِ تبلیغ کا ایک مستقل اصول ہے، یعنی مبلغ کو نرمی اور حسنِ کلام سے بات کرنی چاہیے، اور مخاطب کو جذباتِ نفرت و تشدد کے مظاہرہ سے اشتعال دلا کر فرار عن الحق پر آمادہ نہ کر دینا چاہیے، ورنہ کیا کسی مومن کے دل میں یہ تصور بھی سما سکتا ہے کہ فراعنہ اور نمارده کے درباروں میں رکوع و سجود اور حمد و ثنا کرنے اور عاجزی اور سرافگندگی اور تذلل کی نمائش کرنے اور "حضور والا جاہ" — "بندہ پرور" — "خداوند ولی نعمت" جیسے الفاظ سے بات کرنے کے جو شرک آمیز آداب مروج ہیں ان کی پابندی

© rasailojaraid.com

کے لیے خود خدا اپنے اخص الخواص بندوں کو حکم دے۔ خود قرآن ہی میں دیکھیے کہ اس "قولاً لیناً" پر عمل کرتے ہوئے خدا کے پیغمبر نے دربار فرعون میں کیا کہا اور کیسے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے کہنے کی بات یوں متعین فرمادی تھی کہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئنٰک بآیۃ من ربک والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ پھر جشن کے دن کو فرعون نے مقابلہ کا دن ٹھیرا کر جب پھر گیا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذباً فیسحتکم بعذاب وقد خاب من افتریٰ۔ یہ باتیں بالکل سیدھی سادی ہیں اور ان میں "حضور" اور "جناب" کے الفاظ کا کوئی سراغ نہیں ملتا اور ان میں "فدویت" کی کوئی اسپرٹ نہیں پائی جاتی، بلکہ بات کا انداز بالکل ویسا ہے، جیسے سیدھے سیدھے معاملات میں سیدھی سیدھی گفتگو کی جاتی ہے۔ ذرا اور آگے اسی سورۂ طٰہٰ میں ملاحظہ ہو کہ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لانے والے درباری مداری کس طرح یکایک باغیانہ اور بے لاگانہ جذبات اسلام سے مالامال ہو جاتے ہیں۔ فرعون انھیں قید اور سولی اور قطعِ اطراف کی سزاؤں سے ڈراتا ہے لیکن وہ پورے نافرمان بن کر کہتے ہیں لن نؤثرک علیٰ ما جاءنا من البینٰت والذی فطرنا فاقض ما انت قاضٍ انما تقضی ھٰذہ الحیوۃ الدنیا۔ کیا آدابِ شہنشاہی کو برقرار رکھنے کے یہی ڈھنگ ہوتے ہیں کہ فرعون کے حکم کو ٹھکرانے کا اعلان صاف صاف ظاہر کر دیا جائے۔ یہ تو ایک نبی پر ایمان لانے والے مومنوں کا مقام ہے، پھر کیا نبی کا مقام آپ اس سے بھی پست کرنا چاہتے ہیں؟

باطل کا اقتدار اور طاغوت کا غلبہ مٹانے کے لیے جو جنگ لڑی جاتی ہے اس کا نام قرآن نے جہاد رکھا ہے اور اسے سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ اسے فساد فی الارض سے تعبیر کرنا اسلامی نظریہ صلاح و فساد سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک فساد صرف اس حالت کا نام ہے جس میں انسان اپنے خدا کی ہدایت سے ہٹ گیا ہو اور فساد یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا کی ہدایات پر چلنے سے روکا جائے اور غیر اللہ کے آئین کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔ چاہے بظاہر ہر طرف سکون ہی سکون ہو اور کوئی معرکۂ جنگ کہیں عملاً برپا نہ ہو، نہ چوری اور لوٹ اور قتل کا کوئی ایک واقعہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمودار ہو رہا ہو۔ اسی طرح اسلام کی نگاہ میں صلاح صرف اس حالت کا نام ہے کہ انسان پوری زندگی خدا کی ہدایت کے تحت بسر کر رہا ہو اور اس سے روکنے اور غیر اللہ کی غلامی پر مجبور کرنے والی کوئی قوت برسر عمل نہ ہو، چاہے اس حالت کے پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لیے معرکہ ہائے جنگ بار بار کیوں نہ برپا ہوں اور عوام کو اس سلسلہ میں کتنی ہی پریشانیوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس نظریۂ صلاح و فساد کے تحت بہت سے وہ لوگ جو اعلیٰ درجہ کے شرفا سمجھے جاتے ہیں درحقیقت اشرار میں شمار ہوں گے اور بہت سے امن پرور مفسدین قرار پائیں گے، دوسری طرف بہت سے وہ ہاتھ جو تلوار سونتے ہوں گے اور انسانی خون سے رنگین ہو رہے ہوں گے، امن پھیلانے والے ہاتھ سمجھے جائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر نظام حق کی اطاعت امن پروری ہے تو پھر ہر امن پرور کا فرض ہے کہ وہ نظام باطل کے خلاف بغاوت کرے۔ اس کا نام افساد فی الارض نہیں ہو سکتا۔

ایک ضروری تصحیح

ترجمان القرآن کے گزشتہ پرچے (جلد ۳۔ عدد ۳) میں رسائل و مسائل کے باب میں جو سوالات و جوابات شائع ہوئے ہیں، ان میں سے حسب ذیل کو سہواً مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

۱۔ بہار کا خونی حادثہ اور مسلمان۔

۲۔ خدا کی صفت خلق کی حقیقت

۳۔ شیطانی وساوس

۴۔ عصمت کی حفاظت کے لیے خودکشی

۵۔ موجودہ ہڑتالیں اور حق پسند مسلمان۔

ان عنوانات کے تحت سوالات کے جو جوابات درج ہیں وہ میرے قلم سے ہیں۔ رسالہ کی فہرست میں تصحیح کر لی جائے۔ (نعیم صدیقی)

© rasailojaraid.com